۲۰۰واں باب

بہتر و اعلیٰ ترین رفاقت کی جانب

تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے (موطا امام مالک)

آغازِ علالت تا وفات ۲۹ صفر تا ۱۳ ربیع الاوّل [۲۵ مئی ۶۳۲ء تا ۸ جون ۶۳۲ء]

اُسامہ بن زید کا امیر لشکر بنایا جانا	انصار سے حسنِ سلوک کی وصیت
سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مسجدِ میں امامت	سیّدنا عبّاس رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی
آخری دن آ پہنچا	إن للموت سکرات
حجرہ عائشہؓ میں آخری لمحات	یومِ غم واندوہ
غسل کے مراحل	آخری دیدار
قبر کی جگہ کا انتخاب اور کھدائی	نمازِ جنازہ
تدفین کا مرحلہ	تدفین کے بعد

باب# ۲۰۰

بہتر و اعلیٰ ترین رفاقت کی جانب

تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے (موطا امام مالک)

آغازِ علالت تا وفات ۲۹ صفر تا ۱۳ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری [۲۵ مئی ۶۳۲ء تا ۸ جون ۶۳۲ء]

جیسا کہ قارئین حجۃ الوداع کے باب میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مختلف خطبوں کے درمیان یہ بات فرمائی کہ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد میں تم سے مل سکوں، جمرۂ عقبہ کے پاس فرمایا: مجھ سے اپنے حج کے اعمال سیکھ لو۔ کیونکہ میں اس سال کے بعد غالباً حج نہ کر سکوں گا۔ حج سے واپسی پر غدیر خم میں خطاب کرتے ہوئے بھی اسی طرح کی بات آپؐ نے فرمائی: "لوگو، سنو! میں بھی بشر ہوں، شاید میرے پاس رب کا پیغام آجائے اور مجھے اُسے قبول کرنا پڑے۔" حج کے بعد جب لوگ مدینہ واپس ہوئے تو کچھ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ یعنی ۹ ذوالحجہ سنہ ۱۰ ہجری کے تین ماہ بعد ۱۳ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ ہجری کو۔

ماہ و سال کے شمار میں بظاہر یہ ہجرت کا گیارہواں برس شروع ہو گیا ہے لیکن یاد کریں، سفر ہجرت طے کر کے رسول اللہ ﷺ نے ۱۲ ربیع الاوّل ہی کو یثرب کو مدینۃ النبیؐ بنایا تھا گویا بالکل ٹھیک دس برس بعد آپؐ مدینہ سے رفیق اعلیٰ (اللہ، الہ العٰلمین) کے پاس چلے گئے۔ جب آپؐ مدینہ آئے تو ہجرت کا پہلا سال تھا لیکن سال شروع ہوتا ہے محرم سے؛ ۱۲ ربیع الاوّل تک پہنچتے، پہنچتے محرم، صفر کے دو ماہ اور ربیع الاوّل کے گیارہ دن مزید گزر چکے تھے۔ آپؐ کی وفات نے بھی ۱۰ ہجری مکمل ہونے کے بعد، مدنی زندگی کے دس برس کی تکمیل کے لیے اتنے ہی ایام ۱۱ ہجری سے مزید لے لیے بلکہ ایک دن مزید فیہ کہ آپؐ کی وفات ۱۳ ربیع الاوّل بروز سوموار (پیر ۸ جون ۶۳۲ء) کو ہوئی۔

آپؐ نے امی عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بتایا تھا کہ ہر نبی کو مرنے سے قبل جنت میں اُس کے قیام کی جگہ دکھا دی جاتی ہے، اُس کے بعد اسے اختیار دیا جاتا ہے [دنیا کی زندگی یا آخرت کی جانب پلٹنے کا]، عائشہؓ یہ بھی کہتی ہیں کہ میں نے آپؐ کو فرماتے سنا، "میں نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کیا" ایسا لگتا ہے کہ آپؐ کے ساتھ نبیوں کی موت کے معاملے اللہ

کی سنّت آخری دنوں میں پوری ہوگئی تھی، آپؐ کثرت سے جنّت کا تذکرہ کرتے اور اِس تذکرے میں اتنی شدتِ تاثیر ہوتی کہ گویا آپؐ جنّت کو دیکھ رہے ہیں، ویسے معراج میں تو آپؐ اس کا مشاہدہ کر ہی چکے تھے۔ آپؐ کو دیکھا گیا، گویا آپؐ کسی چیز کو پکڑنے کے لیے لپک رہے ہیں، پھر پیچھے ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے جنّت میں انگوروں کو دیکھا اور چاہا کہ لپک لوں لیکن نہ لپک سکا، اگر پکڑ لیتا تو تم لوگ قیامت تک اُس سے کھاتے رہتے۔

حجۃ الوداع ہی کے دوران آپؐ پر ایّام تشریق کے وسط میں سُوْرَۃُ النَّصْر نازل ہوئی اور اس سے آپؐ نے سمجھ لیا کہ اب دنیا سے روانگی کا وقت آن پہنچا ہے اور یہ میری موت کی اطلاع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سُوْرَۃُ النَّصْر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میری وفات کی خبر دے دی گئی ہے اور میرا وقت آن پورا ہوا (مسند احمد)

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپؐ نے محرم اور صفر کے مہینوں میں مدینہ ہی میں قیام فرمایا۔ اُمّ المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب سُوْرَۃُ النَّصْر اُتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (گھر میں) بتایا کہ اِس برس میری وفات ہونے والی ہے۔ یہ سن کر فاطمہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا میرے خاندان میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آکر ملو گی۔ یہ سن کر وہ خوش ہو گئیں (ابن ابی حاتم اور بیہقی) آپؐ موت کا اکثر تذکرہ کرتے تھے اور موت کو یاد رکھتے تھے، اس میں زیادتی نے اصحاب کو پریشان نہیں کیا اور اس کو معمول کی بات ہی سمجھا۔

حج سے واپسی کے کم و بیش دو ماہ بعد اوائل صفر ۱۱ھ میں آپؐ جبلِ اُحد کے دامن میں تشریف لے گئے اور شہداء کے لیے یوں دعا فرمائی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آکر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: میں تمہارا میر کارواں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت اپنا حوض (کوثر) دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور واللہ! مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے۔ بلکہ اندیشہ اس کا ہے کہ دنیا (یعنی دنیاوی معیارِ زندگی) کے بارے میں ایک دوسرے سے سبقت کی کوشش کرو گے۔ (متفق علیہ)

ایک موقع پر آپؐ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ محوِ گفتگو تھے اور شاید آپؐ نے اپنے جلد چلے جانے کی بات کی اور پھر جنت کا ذکر چھڑ گیا اور بات اس طرف مڑ گئی کہ آپؐ کی ازواج میں سے کون سب سے پہلے وہاں عالمِ آخرت میں آکر آپؐ سے ملاقات کریں گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: وہ کہ جس کے ہاتھ سب سے

لمبے ہیں، وہی سب سے پہلے مجھ سے آن ملے گی۔ اس پر ازواجِ مطہرات ایک دوسرے کے مقابل اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ ابو بکر سراجؒ (مارٹن لنگز) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

"اگرچہ اس مسئلہ پر کوئی روایت کسی نے نقل نہیں کی لیکن خیال یہی ہے کہ اس مقابلے میں جیت سودہؓ کی ہوئی۔ کیوں کہ سب ازواج میں وہی دراز قد اور عموماً تنومند تھیں۔ برخلاف اس کے زینبؓ قد اور جثے میں مقابلتاً چھوٹی تھیں اور اُن کے ہاتھ بھی چھوٹے تھے۔"

لیکن رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دس برس بعد ازواج میں سب سے پہلے وفات پانے والی زینبؓ ہی تھیں، اُن کی وفات پر معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ کہنا کہ "جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے" سے مراد اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ کرنے والی کے تھے کیوں کہ وہ مساکین اور غرباء کا سب سے زیادہ خیال رکھنے والی تھیں اور اسی وصف کی بنا پر اُنھیں اُمّ الغرباء کہا جاتا تھا۔

ایک طرف آپؐ کو آخرت کی جانب اپنی واپسی کی اطلاع مل چکی تھی جس کا آپؐ اظہار کر رہے تھے مگر دوسری طرف اپنے فرائض منصبی سے کسی طور کوئی بے رغبتی یا صرفِ نظر و بے توجہی ہر گز نہیں تھی۔ رومی سلطنت نے اپنے مقبوضہ علاقے معان کے گورنر کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں سزائے موت دے دی تھی[1]، روم کی سلطنت کو دو بار پہلے موتہ میں اور بعدہ تبوک میں اچھی تنبیہ دی جا چکی تھی، اس کے باوجود یہ ایسی

---

[1] سیّدنا فَرْوَہ رضی اللہ عنہ رومی افواج کے اندر ایک عربی النسل سپاہی تھے، اپنی جنگی مہارت اور بہادری کی بنا پر کمانڈر بنا دیے گئے اور پھر اُن کی اعلیٰ قائدانہ صلاحیتوں کو دیکھ کر رومی سلطنت نے اُنھیں اپنی حدود سے ملے ہوئے عرب علاقوں کا گورنر بنا دیا۔ اُن کا مرکز جنوبی اُردن میں معان کے مقام پر تھا اور اُن کی عمل داری گردو پیش کے علاقے میں تھی۔ سیّدنا فَرْوَہ رضی اللہ عنہ نے دو برس قبل سنہ ۸ ہجری میں جنگ موتہ میں تین ہزار مسلمانوں کو بے جگری سے ایک لاکھ رومی فوجوں کا مقابلہ کرتے دیکھا تو اسلام اُن کے دل میں اُتر گیا تھا۔ یہ وہی جنگ تھی جس میں رسول اللہ ﷺ کے محبوب (منہ بولے بیٹے) زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جعفر طیّار رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے دادِ شجاعت دے کر شہادت پائی تھی۔ حجۃ الوداع سے کچھ قبل یا فوراً ہی بعد اپنے اسلام قبول کرنے کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ایک قاصد کے ذریعے بھجوائی اور تحفہ میں ایک سفید خچر بھی بھجوایا۔ رومیوں کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے پہلے تو انہیں گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ ہرقل نے چاہا کہ وہ اسلام سے پھر جائیں وگرنہ سزائے موت کو قبول کر لیں۔ انہوں نے ارتداد پر موت کو ترجیح دی چناں چہ انہیں فلسطین میں عفراء نامی ایک چشمے پر سولی دے دی گئی۔

حرکت تھی کہ اگر اس کا نوٹس نہ لیا جاتا تو ریاستِ مدینہ کی ہوا اُکھڑ جاتی چناں چہ آپؐ نے روم پر فوج کشی کا ارادہ فرمالیا اور اس مقصد کے لیے ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا جس کی سربراہی اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہؓ کے بیٹے اسامہ بن زیدؓ کے سپرد کی۔ اسامہؓ نے مدینہ سے پانچ کلو میٹر، جرف کے مقام پر لشکر کے جمع ہونے کی جگہ مقرر کی اس میں اہلِ مدینہ کے علاوہ اطراف کے علاقوں سے بھی ذیلی لشکروں کو آکر ملنا تھا، ابو بکر صدیقؓ، عمر بن الخطابؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ جیسے جید صحابہ نے اللہ کے رسولؐ کے حکم پر اس محبوبِ رسولؐ کی سربراہی میں لشکر کے ساتھ جہاد پر جانے کا ارادہ کر لیا۔ لشکر کی تیاری جاری تھی کہ اسی دوران آپؐ اپنے واپسی کے سفر کے لیے اپنے آخری مرض، مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔

انھی ایّام میں جب شام کی جانب فوجی تیاریوں کو شروع ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے ایک روز نصف شب میں آپؐ اپنے خادم ابو مویہبہؓ کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ قبرستان میں مدفونوں کے لیے مغفرت کی دعا کروں۔ اس لیے تم میرے ساتھ آؤ۔ آپؐ دونوں گورستانِ بقیع تشریف لے گئے۔ وہاں آپؐ نے اہل بقیع کے لیے مغفرت کی یوں دعا فرمائی: اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو! تم لوگ جس حال میں ہو شاداں رہو! اُن لوگوں کے مقابلے میں جو ابھی حیات ہیں تم کسی قدر بہتر ہو۔ ناقاقیوں کی اِس طرح آمد ہے جیسے تاریکیوں کی موجیں ایک دوسرے کے پیچھے بھی اور ایک دوسرے سے بدتر بھی۔ اس کے بعد یہ کہہ کر اہل قبور کو بشارت دی کہ ہم بھی تم سے آملنے والے ہیں۔ واپسی میں اپنے خادم سے فرمایا: اے ابو مویہبہؓ اللہ نے مجھے دنیا کے خزانوں، ہمیشہ کی زندگی اور پھر اُس کے بعد جنت .... اور .... جنت اور رب سے ملاقات میں سے کسی ایک چیز کو پسند کر کے چن لینے کا اختیار دیا ہے۔

ابو مویہبہؓ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، دنیا کے خزانے، ہمیشہ کی زندگی اور اُس کے بعد جنت! (چہ خوب) آپؐ پسند فرمالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے "جنّت اور رب سے ملاقات" کو پسند کر لیا ہے۔

دوسرے روز ماہِ صفر کی ۲۹ تاریخ بروز پیر (دوشنبہ یا سوموار) کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں گئے، بقیع سے واپسی پر راستے ہی سے سر میں درد شروع ہو گیا۔ گھر آئے تو درد سے بے چین تھے، اُس وقت عائشہؓ بھی سر درد کا شکار تھیں، اُنھوں نے اپنے شوہر سے کہا کہ "میرا سر درد سے پھٹا جاتا ہے" آپؐ نے فرمایا، اے عائشہ

واللہ درد سے سر تو میرا پھٹا جاتا ہے، یہ تو مجھے کہنا چاہیے تھا۔" پھر فرمایا "اے عائشہؓ، اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوتی تو میں تیری طرف آتا تجھے کفن دیتا تمھاری نمازِ جنازہ پڑھاتا اور دفن کرتا، اس سے تیرا کیا نقصان ہوتا؟" امی عائشہ بھی بہت حاضر جواب اور اچھی حسِ لطیف و مزاح کی حامل تھیں، بولیں واللہ اگر ایسا ہوتا تو میرے کفن دفن کے بعد اس گھر میں آپؐ کی کوئی اور بیوی آجاتی۔(او کما قال) رسول اللہ ﷺ یہ سن کر مسکرا دیے۔[باوجود سر درد کے دونوں نے ایک دوسرے کو محظوظ کیا]۔کچھ وقت گزرنے پر رسول اللہ ﷺ کو سر درد کے ساتھ بخار ہو گیا جو اتنا تیز تھا کہ آپؐ نے سر پر ایک پٹی جو باندھی ہوئی تھی اُس کے اوپر سے بخار کی حدّت محسوس کی جاسکتی تھی۔اپنے بخار اور تکلیف کی بابت آپؐ نے سیّدہ عائشہ سے فرمایا "اے عائشہؓ میں ہمیشہ اُس کھانے کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں، جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس زہر نے میری رگِ جاں کو کاٹ دیا ہے۔" یہ آپؐ کے مرض الموت (death bed ailment) کی شروعات تھی، آپؐ اس مرض میں ۱۴ دن علیل رہے[2] اور بیماری کے باوجود ابتدائی گیارہ دن اپنی مسجد میں نماز پڑھاتے رہے۔

بخار کے اِن ایّام میں آپؐ معوذتین [سُوْرَۃُ الْفَلَق اور سُوْرَۃُ النَّاس] پڑھ کر اپنے مبارک ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرتے تھے۔اور جب مرض کی شدّت ہوتی تو عائشہؓ یہ دونوں سورتیں پڑھ کر آپؐ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر آپؐ کے چہرے پر پھیرتی تھیں۔

مرض کے دوران اُسامہ بن زید بن حارثہ کا امیر لشکر بنایا جانا

طبیعت کی اس خرابی ہی کے عالم میں ایک روز اُسامہ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اپنے ہاتھ سے لشکر کا جھنڈا اُن کے حوالے کیا اور فرمایا: "اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جو اللہ کی راہ میں کفر کرے اُس کے ساتھ جنگ کرو"۔ مدینے میں کچھ لوگوں کے درمیان چہ مے گوئیاں تھیں کہ مہاجرین اوّلین کے لشکر کے اوپر ایک لڑکے کو امیر بنا دیا۔ آپؐ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپؐ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کے حمد و ثنا

---

۲ ۲۹ صفر تا ۱۳ ربیع الاوّل [۲۵ مئی ۶۳۲ء تا ۸ جون ۶۳۲ء]، صفر کا مہینہ ۳۰ دنوں کا تھا اور بیماری کے کل دنوں کے شمار میں ۲۹ شمار نہیں ہوتا، اس طرح ۳۰ کو ایک دن مکمل ہوتا ہے اور دوسرا یکم ربیع الاوّل کو اس طرح ۱۳ ربیع الاوّل کو ۱۴ دن پورے ہوتے ہیں۔

کے بعد فرمایا: "اے لوگو، اُسامہؓ کو امیر لشکر بنانے کے بارے میں تم میں سے بعض کی باتیں مجھ تک پہنچی ہیں، مجھے تمھاری اِن باتوں پر تعجب نہیں ہوا، کیوں کہ اس سے قبل تم اس کے باپ کو امیر لشکر بنانے پر بھی اعتراض کر چکے ہو، واللہ وہ امارت ہی کے لیے پیدا ہوا تھا، اس کا بیٹا بھی امارت ہی کے لیے پیدا ہوا ہے۔ وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ اُسامہؓ تمھارے بہترین لوگوں میں سے ہے، تم لوگ اس کے بارے میں بھلائی کی وصیت قبول کرو"۔

اس طرح کے تعریفی کلمات سے کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اُنھیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا۔ مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بہت ہی عمدہ اور ستائش بھرے کلمات فرمائے تھے، جس طرح اس موقع پر اسامہ رضی اللہ عنہ جو آپؐ کے منہ بولے بیٹے کے بیٹے تھے اور اُن پر لوگ اعتراض کر رہے تھے تو آپؐ نے اُن کے لیے کہا کہ "وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں" اور حقیقت یہی تھی کہ آپؐ اِن کے والد زید رضی اللہ عنہ کو انتہائی محبوب رکھتے تھے اور پھر اسی انداز سے اُسامہؓ کو بھی، چناں چہ اُن کو محبوب ابن محبوب رسول اللہؐ کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ جب حجۃ الوداع کے دوران حرم پہنچنے پر یمن سے آنے والی فوج کے لوگ اپنے امیرِ لشکر علی رضی اللہ عنہ کی سخت اصول پسندی پر ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے تو غدیر خم میں آپؐ نے علیؓ کی بھی اسی طرح تعریف فرمائی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ہر گزرتے دن کے ساتھ گرتی جا رہی تھی۔ ازواج مطہراتؓ نے اس صورتِ حال میں یہ بہتر جانا کہ اس کیفیت میں باری کے مطابق مبارک مریض کا ہر روز کسی اور زوجہ کے حجرے میں قیام کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ آپؐ صحت یاب ہونے تک جہاں بھی پسند کریں ایک ہی جگہ رہیں۔ اس فیصلے کے وقت آپؐ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تھے۔ نقاہت کے باعث چلنا آسان نہ تھا علی ابن ابی طالب اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے سہارا دیا اور آپؐ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف لے گئے جہاں آپؐ نے اپنی وفات سے ماقبل متصل ایک ہفتہ قیام کیا۔

وفات سے پانچ دن پہلے بروز چہار شنبہ (بدھ) کو درد اور جسم کی حرارت میں مزید شدت آ گئی۔ جس کی وجہ سے تکلیف بھی بڑھ گئی اور غشی طاری ہو گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر مختلف کنوؤں کے سات مشکیزے بہاؤ تاکہ میں لوگوں کے پاس جا کر وصیت کر سکوں۔ اس کی تکمیل کرتے ہوئے آپؐ کو ایک لگن میں بٹھا دیا گیا اور

آپؐ کے اوپر اتنا پانی ڈالا گیا کہ آپؐ نے "بس، بس" فرمایا۔ اس وقت آپؐ نے کچھ تخفیف محسوس کی۔

میری قبر کو نہ پوجنا

تخفیف محسوس کرنے کے بعد مسجد تشریف لائے، سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ منبر پر بیٹھ کے مختصر گفتگو کی۔ حسبِ معمول آپؐ نے اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر کہا: لوگو! میرے قریب ہو جاؤ۔ لوگ آپؐ کے قریب آ گئے۔ پھر آپؐ نے کچھ باتیں کیں جن کے درمیان فرمایا: "یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد (سجدہ گاہ) بنایا۔" ایک روایت میں ہے کہ "یہود و نصاریٰ پر اللہ کی مار کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنایا۔" (بخاری اور مؤطا امام مالک) آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔" (موطا امام مالک)

پھر آپؐ نے اپنے آپؐ کو احتساب کے لیے پیش کیا اور فرمایا: "میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے اور کسی کی آبرو پر بٹہ لگایا ہو تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے۔" ایک شخص نے کہا: آپؐ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپؐ نے فضل بن عباس سے فرمایا: انہیں ادا کر دو۔

انصار کی فضیلت اور اُن سے حسنِ سلوک کی وصیت

آپؐ منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور ظہر کی نماز پڑھائی، جس کے بعد انصار کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا: " میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ میرے قلب و جگر ہیں۔ انہوں نے اپنا وعدہ و ذمہ داری (جس کا وعدہ اُنھوں نے بیعت عقبہ میں کیا تھا) پوری کر دی۔ مگر ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں، لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار گھٹتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح ہو جائیں گے۔ لہٰذا تم میں سے جو بھی کسی نفع اور نقصان پہنچانے والے کام کا نگراں ہو تو وہ ان کے نیک لوگوں کی قدر (باتوں کو قبول) کرے اور ان کے خطاکار لوگوں سے درگذر و معافی کا معاملہ کرے۔" (بخاری)

ایک بندے کو دنیا کی نعمتوں اور اللہ سے ملاقات کے درمیان اختیار دیا گیا

اس کے بعد آپؐ نے بڑے عمومی انداز میں فرمایا: "ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ وہ یا تو دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو کچھ پسند کرے اللہ اسے دے دے، یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار

کرلے تو اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیز کو اختیار کر لیا۔(لوگ ہر گز نہ جان پائے کہ رسول اللہؐ خود اپنے بارے میں یہ بات فرمارہے تھے)"ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ یہ بات سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا: ہم اپنے ماں باپ سمیت آپؐ پر قربان۔اس پر ہمیں تعجب ہوا۔لوگوں نے کہا: اِن بڑے صاحب کو دیکھو! رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کے بارے میں یہ بتارہے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو چاہے اللہ اُسے دے یا وہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کرلے اور یہ بزرگ کہہ رہے ہیں کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپؐ پر قربان (یہاں بھلا اس بات کا کیا موقع ہے) لیکن جب (موت کا جان کاہ) حادثہ واقع ہوا تو ہم جانے کہ جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے اور ابو بکرؓ ہم میں سب سے زیادہ صاحب علم تھے۔(متفق علیہ)

پھر رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رونے سے منع کرتے ہوئے یہ اظہار واعتراف فرمایا کہ مجھ پر اپنی دوستی رکھنے اور مالی تعاون سے احسان کے معاملے میں ابو بکرؓ سب سے آگے ہیں اور اگر میں انسانوں میں جدا نہ ہونے والا رفیق پسند کروں تو وہ ابو بکرؓ رہے ہیں۔اگر اپنے رب کے علاوہ کسی اور کو خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو خلیل بناتا لیکن (ان کے ساتھ) اسلام کی اخوت و محبت (کا تعلق) ہے۔پھر آپؐ نے مسجد میں چاروں جانب نظر دوڑائی اور فرمایا کہ مسجد میں (نجی مکانوں کا) کوئی دروازہ باقی نہ چھوڑا جائے بلکہ انھیں لازماً بند کر دیا جائے، سوائے ابو بکرؓ کے دروازے کے۔(بخاری ۵۱۶/۱) بعض روایات کے مطابق آپؐ نے اس طرح بھی کہا: "اے لوگو! ابو بکرؓ کو چھوڑ دو کہ تم میں سے ایسا کوئی نہیں کہ جس نے ہمارے ساتھ کوئی بھلائی کی ہو اور ہم نے اس کا بدلہ نہ دے دیا ہو، سوائے ابو بکرؓ کے، اُس کا بدلہ میں نہیں دے سکا، اُس کا بدلہ میں نے اللہ جل شانہ پر چھوڑ دیا۔" منبر سے اُترنے سے قبل آپؐ نے فرمایا "میں تم سے پہلے جارہا ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ تمھاری ملاقات مجھ سے اب حوضِ کوثر پر ہوگی، جس کو میری آنکھیں یہاں سے دیکھ رہی ہیں جہاں میں کھڑا ہوں۔ مجھ کو تم لوگوں سے اس قسم کا خطرہ نہیں ہے کہ تم اِلٰہ واحد کو چھوڑ کر دوسروں کے پیرو بن جاؤ گے لیکن مجھے تمھارے بارے میں اس دنیا سے خطرہ ہے کہ مبادا تم دنیوی منفعت کی خاطر ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں رشک و حسد کا شکار نہ ہو جاؤ۔

چھ سرخ دینار کہیں سے آئے تھے، صدقہ کے بعد سات یا آٹھ دینار عائشہؓ کے پاس باقی تھے، شب میں بے ہوشی طاری ہوگئی، جب آپؐ ہوش میں آئے تو پوچھا... عائشہؓ اُن دینار کا کیا ہوا؟ عرض کیا: رکھے ہیں،

فرمایا: صدقہ کر دو، کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ محمدؐ اللہ کے پاس اس حالت میں جائے کہ اُس کے پاس یہ کچھ ہو۔ اِس روز آپؐ نے تین وصیتیں فرمائیں:

(۱) یہود کو عرب سے باہر نکال دو،

(۲) وفود کی رہنمائی کرو اور انہیں زادِ راہ دو،

(۳) تیسری وصیت قرآن مجید کے (ساتھ جڑے رہنے کے) بارے میں تھی

آپؐ نے فرمایا کہ "میرے وارث نہ دینار تقسیم کریں اور نہ درہم، ہم (انبیاء) اپنی بیویوں کے اخراجات اور اپنے عامل کی اجرت کے علاوہ جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے"

سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مسجدِ نبوی میں امامت نماز

۸ ربیع الاوّل تک پانچوں اوقات کی تمام نمازیں رسول اللہ ﷺ نے خود پڑھائیں، ۹ تاریخ کو جمعرات کے روز نماز مغرب میں سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰت کی تلاوت فرمائی، یہ آخری نماز تھی جو صحابہؓ نے کامل آپؐ کی امامت میں ادا کی۔ لیکن عشاء کے وقت مرض کی شدّت اتنی بڑھ گئی کہ مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی۔ عشاء کے وقت دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ عائشہؓ نے عرض کیا: نہیں آپؐ کا انتظار ہے، یہ سن کر غسل فرمایا، باہر نکل کر کھڑے ہوئے تو غش آ گیا، افاقہ ہوا تو پھر نماز کے بارے میں دریافت فرمایا، کھڑے ہوئے تو پھر غشی طاری ہو گئی، فرمایا: ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، عائشہؓ نے کہا... وہ بڑے نرم دل ہیں آپؐ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھا سکیں گے، روئیں گے اور لوگ کچھ سن نہ سکیں گے، فرمایا! نہیں، نہیں ابو بکرؓ کو چاہیے کہ وہ نماز پڑھائیں، یہ عشاء کی نماز تھی جو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اُن کی مسجد میں پڑھائی، حقیقت یہ ہے کہ یہ پہلی نماز تھی جس کی امامت آپؐ کی مدینے میں موجودگی میں (آپ ﷺ کی مرضی اور حکم سے) کسی اور نے مسجدِ نبوی میں فرمائی۔ پھر ۱۳ تاریخ کو عصر سے پہلے آپ کی وفات سے قبل تک مسلسل چار دن [۱۰، ۱۱، ۱۲ اور ۱۳] تمام نمازیں ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی پڑھاتے رہے۔ سوائے ۱۲ تاریخ کی ظہر کی نماز کے۔

اسی روز یعنی وفات سے چار روز قبل، جمعرات کے بارے میں ایک روایت 'حدیثِ قرطاس' بہت معروف ہے، باوجود راویوں کی ثقاہت اور بخاری و مسلم میں اِس کے رپورٹ ہونے کے اِن روایات کے متون میں بہت اختلاف ہے۔ یہ وہ روایتیں ہیں جن کو بنیاد بنا کر شیعہ حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین و خلیفہ مقرر کرنے کی وصیت لکھوانا چاہتے تھے لیکن موقع پر موجود لوگوں نے جن میں عمرؓ بن الخطاب پیش پیش تھے، لکھنے کا سامان مہیا نہ کیا اور نہ لکھوانے دیا، جس کی وجہ سے وہ اہم تحریر لکھنے سے رہ گئی۔ اِن مختلف روایات میں سے کسی روایت میں عمر بن الخطابؓ کی موجودگی ثابت نہیں ہے اور کسی میں ہے، کسی روایت میں اس کا نہ لکھا جانا بڑی آفت بن کر سامنے آتا ہے اور عمر بن الخطابؓ کی موجودگی اس آفت کا سبب قرار پاتی ہے اور طرزِ روایت سے شیعہ حضرات ثابت کرتے ہیں کہ پہلے منکرِ حدیث عمرؓ تھے اور اُس ایک وصیت کے نہ لکھے جانے سے امت گم راہ ہو گئی۔ اور کہنے والے کہہ دیتے ہیں کہ نعوذ باللہ اُس ایک تحریر کے نہ ہونے سے کارِ نبوت تکمیل نہ پا سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ درایت کی بنیاد پر یہ دعوے اور امور محلِ نظر ہیں۔ ہدایت کے لیے قرآن و سنت کافی ہیں اور اگر رسول اللہ ﷺ کو کچھ لکھوانا تھا تو اگلے چار روز میں جب آپؐ کافی اوقات میں بہت بہتر طبیعت سے رہے تو ضرور لکھوا دیتے۔

اِن ہی اوقات و ایّام میں رسول اللہ ﷺ نے علیؓ سے فرمایا ایک کاغذ لاؤ کہ جس پر میں تمھیں ایک تحریر لکھوا دوں جس کے باعث قوم گم راہی سے محروم رہے گی۔ علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں یاد رکھوں گا آپؐ فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمھیں نماز، زکوٰۃ اور غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسوں، حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چوما اور اُن کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی اور ازواجِ مطہراتؓ کو بلایا اور اُنھیں وعظ و نصیحت کی۔

رسول اللہ ﷺ نے شدّتِ مرض میں فرمایا کہ اُسامہ کے لشکر کو روانہ کر دو، اُسامہؓ روانگی سے قبل چند اصحاب کے ہمراہ یک شنبہ (اتوار) کو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ شدید درد میں تھے، اُسامہؓ نے جھک کر آپؐ کا بوسہ لیا، اللہ کے رسولؐ دونوں ہاتھ آسمان کی جانب اُٹھاتے تھے اور اُسامہؓ کے سر پر رکھ دیتے تھے۔ شدت درد اور مرض کی وجہ سے آپؐ زبان سے کچھ کلام نہیں فرما سکتے تھے۔ اُسامہؓ بن زیدؓ اللہ کے رسول ﷺ سے رخصت ہو کر لشکر گاہ چلے گئے، تاہم حالات بہت غیر یقینی تھے اور نہ معلوم کب کیا ہو جانا تھا لہٰذا لشکر روانہ نہیں ہو سکا۔

سیّدنا عبّاس رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی

بیماری کے اس مرحلے پر نبی کریم ﷺ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں میرے بعد امارت کے

معاملے میں اختلاف و نزاع کی کوئی ناگفتہ بہ صورت نہ پیش آجائے چناں چہ آپؐ نے یک بارگی تو یہ سوچا کہ اس کا تحریری تصفیہ کر کے ہی دنیا سے جاؤں، لیکن اِس اندیشے پر جلد ہی آپؐ کا اپنے اصحاب کی فراست و دیانت پر اعتماد غالب آگیا اور آپؐ نے یہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا اور یقین فرمایا کہ امارت کے لیے میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کا انتخاب ہوگا۔ چناں چہ عائشہ سے روایت ہے کہ:

لقد هممت . . . او اردت ان ارسل الی ابی بکر وابنه فاعهد ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون ثم قلت یأبی الله ویدفع المؤمنون او یدفع الله ویأبی المؤمنون۔'' (صحیح بخاری ج:۲ ص:۸۲۶، ۱۰۷۲) ترجمہ:...''میرا ارادہ ہوا تھا کہ میں ابو بکرؓ اور ان کے صاحبزادے کو بلا بھیجوں اور تحریر لکھوا دوں، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہنے والے کہیں گے اور تمنا کرنے والے تمنا کریں گے، لیکن پھر میں نے کہا اللہ تعالیٰ (ابو بکر کے سوا کسی دوسرے کا) انکار کریں گے، اور مسلمان مدافعت کریں گے۔ یا یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مدافعت فرمائیں گے اور اہل اسلام (کسی اور کی امارت کا) انکار کر دیں گے۔"

جس نزاع و اختلاف کا اندیشہ رسول اللہ ﷺ کے ذہن میں وارد ہوا تھا، اور جس کا وہ تحریری حکم دینا چاہتے تھے[۳]، اس اندیشے سے عبّاس رضی اللہ عنہ کا ذہن مبارک بھی خالی نہیں تھا، چناں چہ اُنھوں نے چاہا کہ جو امور اختلاف و نزاع اور امت کے شقاق و افتراق کا موجب ہو سکتے ہیں، ان کا تصفیہ خود نبی کریم ﷺ سے اُن کی زندگی ہی میں کرالینا مناسب ہے[۴]۔ عباس رضی اللہ عنہ کو اُن کی خاندانی دور اندیشی اور مستقبل بینی اس رائے پر آمادہ کر

---

۳ بخاریؒ کی حدیث ہم نے اوپر پیش کی ہے۔ مسلمؒ کی حدیث ملاحظہ فرمایئے: عن عائشة قالت قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مرضه ادعی لی ابابکر اباك واخاك حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولیٰ، ویأبی الله والمؤمنون الا ابابکر!'' (مسلم ج:۲ ص:۲۷۳) ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں مجھ سے فرمایا کہ میرے پاس اپنے باپ ابو بکرؓ کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے، اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں سب سے بڑھ کر خلافت کا مستحق ہوں، دوسرا نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ابو بکر کے سوا کسی اور کا انکار کرتے ہیں۔

۴ ظاہر ہے کہ موت کے بعد تو پھر کوئی رابطہ اور فیصلہ طلبی کسی مراقبے سے نہیں ہو سکتی تھی اور حقیقت یہی ہے کہ پورے دورِ خلافت راشدہ میں بیسیوں مشکل امور آئے اور کبھی کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ قبر مبارک سے کوئی

رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ جب دنیا سے تشریف لے جارہے ہیں تو آپؐ کے بعد آپؐ کی جانشینی کا مسئلہ اللہ نہ کرے کہ کوئی پیچیدہ صورت اختیار کرلے، اس لیے اس کا تصفیہ خود رسول اللہ ﷺ ہی کے ذریعہ ہوجائے تو بہتر ہے۔ چناں چہ معتبر کتب میں یہ روایت ہے:

علی بن ابی طالب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جب کہ رسول اللہ ﷺ اپنی آخری بیماری میں مبتلا تھے، لوگوں نے آپؓ سے پوچھا کہ: اے ابوالحسن! رسول اللہ ﷺ کی طبیعت کیسی ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ: اب آپؐ پہلے سے اچھی حالت میں ہیں۔ تو عباس نے علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اللہ کی قسم تین روز کے بعد تم دوسروں کی حکومت کے ماتحت ہوگے، مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ اس بیماری میں رسول اللہ ﷺ کی وفات عن قریب ہونے والی ہے، کیونکہ بنی عبدالمطلب کے چہروں کی جو کیفیت موت کے وقت ہوتی ہے وہی مجھے رسول اللہ ﷺ کی معلوم ہورہی ہے، چلو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلیں، آپؐ سے دریافت کریں کہ آپؐ کے بعد یہ امر خلافت کس کے پاس ہوگا؟ پس اگر ہمارے پاس ہوا تو ہمیں معلوم ہوجائے گا، اور اگر کسی دوسرے کے پاس ہوا تب بھی ہمیں معلوم ہوجائے گا، اس صورت میں آپؐ ہمارے حق میں وصیت فرمادیں گے۔ تو علی نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کریں اور آپؐ ہم کو نہ دیں تو پھر لوگ ہم کو کبھی نہ دیں گے اور میں تو اللہ کی قسم! اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے ہرگز سوال نہ کروں گا۔" (البدایہ والنہایہ اور مسند امام احمد)

عباس رضی اللہ عنہ کے مشورۂ وصیت کا منشا یہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت آپ ﷺ کے رشتہ داروں کو نہ ملے تو اِس کو بنیاد بنا کر لوگوں کو بنو ہاشم کی عظمت و توقیر میں کمی نہ کرنے کی خصوصی وصیت فرماجائیں تاکہ خلافت بلافصل سے ان کی محرومی کو ان کے نقص اور نااہلیت پر محمول نہ کیا جائے اور لوگ ان پر طعن و تشنیع کرکے رسول اللہ ﷺ سے جفا و بے مروتی کے مرتکب نہ ہوں، پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فکر

رابطہ اور فیصلہ لیا جائے۔ قبروں پر مراقبے اور اہلِ قبور سے رابطے صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ کے حیّ و قیوم ہونے اور قرآن کے اللہ کی کتاب ہونے پر یقین نہیں رکھتے۔ ہر مرنے والے انسان اور اہلِ دنیا کے درمیان قیامت تک کے لیے ایک برزخ حائل ہے۔ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن

اپنے مفادات کی نہیں، بلکہ ان لوگوں کے دین وایمان کی ہے جو اپنی خام عقلی سے ان کی خلافت سے محرومی کو ان پر لب کشائی کا بہانہ بنالیں کیوں کہ ایسا ایک مرتبہ ہو چکا تھا، جب تبوک کی مہم کے موقع پر جب علی رضی اللہ عنہ کو بوجوہ نہیں لے جایا گیا تھا تو اُس وقت بھی منافقین نے پھوٹ ڈالنے کے لیے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناروا باتیں بنانی شروع کر دی تھیں، ایسی بات کا اعادہ نہیں ہونا چاہیے۔

عباس رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دینا کہ وہ خلافت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے ابھی بات کر لیں اور آپؐ کچھ وصیت کر دیں، وہ خلافت نہ ملنے پر صرف اسی نوع کی عزت کی وصیت کے مطالبے کے لیے تھا اور علی رضی اللہ عنہ کا انکار اُن کی اس دور اندیشی کا مظہر تھی کہ فوری طور پر تو یہ سعادت یقینی طور پر سوائے ایک معروف دستِ راست، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی بنتی ہی نہیں ہے، جو بیماری کے اِن دنوں مسجد میں آپؐ کے مصلّے پر زندگی میں آپؐ کی نیابت کر رہے ہیں، لوگ کیوں نبی کریمؐ سے "نہ" سن کر علی رضی اللہ عنہ کو امارت کے استحقاق سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیں؟

انھی دنوں کی بات ہے کہ جب آپؐ کی وفات کا وقت قریب تھا اور آپؐ کا مرض لحہ بہ لحہ فزوں تر ہو رہا تھا، موقع اور اجازت ملنے پر سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے۔ ایک روز جب رسول اللہ ﷺ کی طبیعت کافی ناساز تھی تو آپؐ نے بطور خاص ابوذرؓ کو بلا بھیجا۔ ابوذرؓ فوراً حاضر ہوئے، سرکارؐ لیٹے ہوئے تھے۔ ابوذرؓ اُن پر جھکے تو آپؐ نے ان کا ہاتھ تھام لیا اور دیر تک اُسے اپنے سینے سے چمٹائے رکھا۔ محبت اور تعلق خاطر کا یہ اظہار آج حکومتوں کی جانب سے ملنے والے کسی بھی بڑے سے بڑے اعزاز سے کہیں برتر و اعلیٰ تھا۔

جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وفات سے تین دن پہلے سنا آپؐ فرما رہے تھے: "یاد رکھو تم میں سے کسی کو موت نہیں آنی چاہیے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو۔" (طبقات ابن سعد)۔ یہ وہ ایّام تھے کہ جب لوگ آپؐ کی زندگی کے بارے میں فکر مند اور طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا ہو گئے اور ڈرنے لگے کہ شاید آخری وقت قریب آ لگا ہے۔ اُسامہ بن زیدؓ کی سربراہی میں جو لشکر روانہ کیا ہوا تھا وہ لشکر روانہ ہو کر مدینہ سے پانچ کلو میٹر دور مقام جرف میں خیمہ زن تھا مگر رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے متعلق تشویشناک خبروں کے سبب آگے نہ بڑھ سکا بلکہ اللہ کے فیصلے کے انتظار میں مدینے سے باہر ٹھہر گیا تھا کہ اگر اللہ نہ کرے آپؐ کی وفات ہو جائے تو وہ اِس موقع پر صلوٰۃ الجنازہ میں حاضر تو رہ سکیں۔

۱۲ ربیع الاوّل اتوار کے دن یعنی وفات سے ایک روز قبل نبی ﷺ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد فرمادیا۔ آپؐ کے پاس چھ یا سات دینار تھے انہیں صدقہ کردیا۔ آپ ﷺ کی زِرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع (کوئی ۷۵ کلو) جَو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔ بخاری، مسند احمد میں ہے کہ آپؐ کو مالی لحاظ سے اتنی وسعت نہ مل سکی کہ اس زرہ کو چھڑا سکیں، باقی آپؐ نے اپنے تمام ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ فرمادیے۔

آج آپؐ اپنی طبیعت قدرے بحال محسوس کر رہے تھے، ظہر کی نماز کے وقت جب، مرض میں کچھ افاقہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ، عباس اور علی رضی اللہ عنہما کے سہارے بمشکل مسجد میں تشریف لائے، اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھا رہے تھے۔ ابو بکرؓ آپؐ کی آمد کو محسوس کر کے پیچھے ہٹنے لگے۔ آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور لانے والوں سے فرمایا کہ مجھے ان کے بازو میں بٹھادو۔ چنانچہ آپؐ کو ابو بکرؓ کے دائیں جانب بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد ابو بکرؓ آپ ﷺ کی اقتدا (پیروی) کر رہے تھے اور باقی لوگ ابو بکرؓ کی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکبیر سنا رہے تھے۔ (بخاری) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی اقتدا میں یہ آخری نماز ادا کی۔ یہی وہ دن تھا کہ جس روز یمن میں فساد برپا کرنے والے مدعی نبوت اَسْوَد عنسی کو فیروز رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی کے ذریعے اطلاع آئی اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس واقعہ سے باخبر کیا۔ جیسا کہ فتح الباری (۹۳/۸) میں مرقوم ہے کہ نبی ﷺ کی وفات سے صرف ایک دن اور ایک رات پہلے صحابہ کو آپؐ نے یہ اطلاع دی تھی۔ یمن سے باقاعدہ خبر جب آئی تو منبر رسول پر ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفۃ الرسول تھے۔ اور یہی وہ دن تھا جس کی کوکھ سے وہ رات نکلی جو زمین پر رحمت اللعٰلمین کی حیاتِ مبارکہ کی آخری رات تھی اور رات کو چراغ کے لیے گھر میں تیل نہیں تھا، پڑوس سے منگوایا گیا۔

اس کے بعد دوسرے روز ۱۳ ربیع الاوّل، دوشنبہ کو آپؐ کی وفات سے قبل فجر اور ظہر کی دو نمازیں مزید بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہی پڑھائیں، اس طرح پانچ دنوں میں یہ کل سترہ نمازیں[۵] ہیں جو آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپؓ کو رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی بنا پر پڑھانی پڑیں، جہاں یہ ایک بڑی ذمہ داری تھی وہیں ایک سعادت بھی اور اس بات کا اعلان بھی کہ آپؐ کے بعد امامت کی امامت کون کرے گا۔

---

۵ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ۹ تاریخ سے ۱۳ تک پانچ دنوں میں سترہ (۱۷) نمازیں پڑھائیں، جن کی تفصیل یہ ہے کہ ۹ تاریخ کو صرف عشاء کی ایک نماز پڑھائی، ۱۰ اور ۱۱ کو پانچوں اور ۱۲ کو ظہر کے علاوہ باقی چار نمازیں (کیوں کہ ظہر نبی ﷺ نے خود پڑھائی) اور آخری روز ۱۳ کو فجر اور ظہر دو وقت کی نمازیں یہ کل ۱۷ ہو گئیں: ۲+۴+۵+۵+۱ = ۱۷

۱۳ آخری دن آپہنچا[۱۳/ربیع الاول ۱۱ھ بروز پیر]

ربیع الاوّل، دوشنبہ[۶] (یعنی پیر/سوموار کو جس دن عصر سے قبل آپؐ کی وفات ہوئی) کو صبح کے وقت بخار کافی کم ہو گیا، آپؐ نقاہت کے باوجود فجر کی نماز میں تشریف لائے، ابو بکرؓ کی امامت میں نماز شروع ہو چکی تھی اصحاب رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر لوگ بے انتہا خوش ہو گئے اور خوشی کی وجہ سے شاید نماز توڑ دیتے، آپ نے اشارے سے نماز میں مصروف رہنے کی ہدایت کی، آپؐ کا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا، آپؐ اسی عالمِ سرخوشی میں فضلؓ بن عباسؓ اور اپنے خادم ثوبانؓ کے سہارے آگے بڑھے، انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کے چہرے پر ایسا زبردست نور اور حسن کبھی نہیں دیکھا تھا جو اُس دن دیکھا! پیچھے جب امام، سیّدنا ابو بکرؓ نے آہٹیں محسوس کیں تو وہ جان گئے کہ قریب آتی ہوئی ہستی اللہ کے رسول ﷺ کی ہے، چناں چہ وہ بغیر منہ موڑے پیچھے کی جانب الٹے پاؤں صف میں آنے لگے، آپؐ نے اپنے دستِ مبارک اُن کے کندھوں پر رکھ کر اشارہ کیا کہ وہ امامت جاری رکھیں اور اُن کے دائیں جانب بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ نے ابو بکرؓ کی اقتدا میں نماز ادا کی[۷]۔

تکمیلِ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حجروں کی طرف پشت کی، صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کو اپنے درمیان پا کر بے انتہا خوش تھے۔ ابو بکرؓ نے کہا: اللہ، اللہ! یارسول اللہؐ آپؐ روبصحت ہیں! رسول اللہ ﷺ نے گفتگو

---

۶ اس پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ آپؐ کی وفات ربیع الاوّل میں سوموار (پیر، دوشنبہ) کو ہوئی ہے اور اُس برس پیر کا دن ربیع الاول میں ۶ اور ۱۳ تاریخ کو پڑا تھا۔ بیماری کا آغاز ماہِ صفر کی ۲۹ تاریخ بروز پیر کو ہوا جب رسول اللہ ﷺ ایک جنازے سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ ۳۰ تاریخ کو بیماری پر ایک دن مکمل ہوا، یکم ربیع الاوّل کو دوسرا دن اور ۱۳ ربیع الاوّل سوموار کو یعنی ۱۴ ویں دن آپؐ کی وفات ہو گئی۔ محدثین اور اہلِ سیر کی یہی رائے ہے کہ وفات ۱۳ ویں یا چودھویں روز ہوئی، ۱۲ ربیع الاوّل یومِ وفات مانا جا سکتا مگر وہ اتوار کا دن ہے اور کوئی بھی آپؐ کی وفات کو اتوار کا دن نہیں مانتا۔ ۱۲ ربیع الاوّل صرف اس صورت میں سوموار کو ہو سکتا ہے جب لگاتار چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور صفر تیس (۳۰) کے مانے جائیں یہ ماہرینِ فلکیات کے نزدیک ناممکنات میں سے ہے البتہ کبھی کبھار تین ماہ لگاتار ہو سکتے ہیں، جو ہم نے لے لیے ہیں۔ واللہ اعلم

۷ حافظ ابنِ حجر العسقلانیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ کا قول، جسے حافظ ابن کثیرؒ نے امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ سے نقل کیا، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ (دورانِ آخری علالتِ پیغمبرؐ) ابو بکرؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کی اقتدا کی اور ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ابو بکرؓ کی اقتدا کی اور یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں۔

فرمانی شروع کی، آپؐ کی آواز بڑی توانا تھی، اتنی کہ مسجد کے دروازوں کے باہر بھی سُنی جارہی تھی۔ رسول اللہؐ نے لوگوں کو فتنوں سے ڈرایا، آپؐ نے مزید فرمایا: "حرام اور حلال کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، اللہ کی قسم لوگ مجھے مجبور نہیں کر سکتے، میں صرف وہی چیز حلال کرتا ہوں جو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کرتا ہوں جو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دی۔" یہ خاتم الانبیاء کی اپنی مسجد میں اپنے جاں نثار حواریوں کے ساتھ آخری نشست تھی۔

عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کسی امتی کے پیچھے نماز ادا نہیں کی بجز ایک بار پوری نماز ابو بکرؓ کی اقتدا میں اور ایک دفعہ سفر میں (تبوک سے واپسی میں) ایک رکعت عبدالرحمنؓ بن عوف کے پیچھے[۸]۔

اتنے دنوں کی بیماری کے بعد یہ ایک بہت ہی اچھے دن کا آغاز تھا، مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہی آخری دن ہے جب روح الامینؑ کے توسط سے قیامت تک کے لیے عرش و فرش کے رابطے منقطع ہو جائیں گے، جانے والا ہمیشہ کے لیے چلا جائے گا اور پھر تا قیامت نہ اُس سے کوئی رابطہ ہو گا اور نہ ہی کوئی اور نبی یا رسول آئے گا۔ آج رسول اللہ ﷺ کی طبیعت کچھ بہتر محسوس ہو رہی تھی، ابو بکرؓ آپؐ کی اجازت سے مدینے کے نواح، سُنح میں واقع اپنے ایک گھر کی جانب چلے گئے، دیگر مرد حضرات بھی ادھر اُدھر تھے، آپؐ کی طبیعت بگڑنی شروع ہوئی۔ کسی وقت اپنے بابا سے ملاقات کے لیے آپؐ کی بیٹی فاطمہؓ آگئیں، اس وقت رسول اللہ ﷺ جس شدید کرب سے دوچار تھے اسے دیکھ کر فاطمہؓ بے ساختہ پکار اٹھیں۔ واکرب اَباہ۔ "ہائے ابّا جان کی تکلیف۔" آپؐ نے فرمایا: تمہارے ابّا پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں۔ (بخاری ۶۴۱/۲)۔ اسی طور دن گزرتا چلا گیا دن کا آخر آگیا۔ آپؐ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چُوما اور ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہم کو بلایا اور انہیں وعظ و نصیحت کی۔ لمحہ بہ لمحہ تکلیف بڑھتی جارہی تھی اور اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا جسے آپؐ کو خیبر میں کھلایا گیا تھا۔

---

۸ تبوک سے واپسی کے پندرہ روزہ سفر میں کسی ایک روز نمازِ فجر سے قبل رسول اللہ ﷺ کسی حاجت کے لیے مغیرہ بن شعبہؓ کے ہمراہ دور نکل گئے، وقت کی تنگی کے پیشِ نظر صحابہ کرام نے عبدالرحمنؓ بن عوف کے پیچھے نماز شروع کر دی، رسول اللہ ﷺ ایک رکعت نکل جانے کے بعد شامل ہوئے تھے، جب عبدالرحمنؓ کو احساس ہوا کہ نبی ﷺ آگئے ہیں تو پیچھے ہٹنا شروع کیا، آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ نماز پڑھاتے رہو، پس انہوں نے نماز مکمل کی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فوت شدہ رکعت ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ تم لوگوں نے بہت خوب کیا۔ (مسلم: ۸۱، ۲۷۴/۶۳۳)

إن للموت سکرات، (موت کے لیے سختیاں ہیں)

خواتین نے اپنے اپنے مردوں کو بُلانے کے لیے لوگوں کو دوڑایا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو، حفصہ رضی اللہ عنہا نے عمر رضی اللہ عنہ کو اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے علی رضی اللہ عنہ کو بلوایا، مگر کوئی بھی وقت پر نہیں پہنچ پایا۔ چہرے پر آپؐ نے ایک چادر ڈال رکھی تھی۔ جب سانس گھٹنے لگتا تو اسے چہرے سے ہٹا دیتے۔ اسی حالت میں مختلف ساعتوں میں آپؐ کے دہنِ مبارک سے آخری وصیتیں ادا ہوئیں : یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا (آپؐ گویا تنبیہ فرما رہے تھے کہ تم ایسا نہ کرنا) سرزمین عرب پر دو دین باقی نہ چھوڑے جائیں، نماز، نماز، اور تمہارے زیرِ دست (یعنی ملازم و محکوم کا خیال رکھنا)۔

پھر عالمِ نزع طاری ہو گیا۔ یہ اللہ کی سنت ہے کہ ہر انسان کو ایک روز وقت مقررہ پر مرنا ہوتا ہے، کسی کو بھی موت سے مفر نہیں۔ حی و قیوم بس ایک اللہ کی ذات ہے۔ عائشہؓ نے آپؐ کو اپنے اُوپر سہارا دے کر ٹیک لیا۔ ان کا بیان ہے کہ اللہ کی ایک نعمت مجھ پر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں، میری باری کے دن میری گود میں وفات پائی اور آپؐ کی موت کے وقت اللہ نے میرا لعاب اور آپؐ کا لعاب اکٹھا کر دیا۔ ہوا یہ کہ عبد الرحمن بن ابی بکرؓ آپؐ کے پاس تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں رسول اللہ ﷺ کو ٹیکے ہوئے تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ آپؐ مسواک چاہتے ہیں۔ میں نے کہا: آپؐ کے لیے لے لوں؟ آپؐ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں! میں نے مسواک لے کر آپؐ کو دی تو آپؐ کو سخت محسوس ہوئی۔ میں نے کہا: اسے آپؐ کے لیے نرم کر دوں؟ آپؐ نے اثبات میں سر کو جنبش دی! میں نے مسواک نرم کر دی، اور آپؐ نے نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ آپؐ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا۔ آپؐ پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: لا الہ الا اللہ، إن للموت سکرات [الحدیث] اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ موت کے لیے سختیاں ہیں۔ (بخاری ۲/۶۴۰)

حجرہ عائشہؓ میں آخری لمحات

مسواک سے فارغ ہوتے ہی آپؐ نے اُنگلی اٹھائی، چھت کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا، دونوں ہونٹوں میں جنبش ہوئی، گویا کچھ پڑھ رہے ہیں۔ عائشہؓ نے کان لگایا تو آپؐ فرما رہے تھے: مع الذین أنعمت علیهم من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین، اللهم اغفر لی وارحمنی، وألحقنی بالرفیق

الاعلیٰ اللھم، الرفیق الاعلیٰ۔ ترجمہ: ''ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر، اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچادے۔ اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ''۔ آخری فقرہ تین بار دہرایا، اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا اور آپؐ رفیقِ اعلیٰ کے پاس چلے گئے، جس کے لیے بے تاب تھے! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ واقعہ جان کاہ عصر و مغرب کے درمیان کسی وقت پیش آیا[9]۔ اگر ہم ۹ ربیع الاوّل کو یوم پیدائش جانیں تو اس وقت آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال چار دن ہو چکی تھی۔

یومِ غم واندوہ

آپؐ کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی مانند آناً فاناً پھیل گئی، اہلِ مدینہ مغموم ہو گئے۔ ماحول پر ایک اُداسی چھا گئی۔ انسؓ کا بیان ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اس سے بہتر اور تابناک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس سے زیادہ قبیح اور تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ (دارمی، مشکوٰۃ ۲/۵۴۷) انہی انسؓ سے ان الفاظ کے ساتھ بھی روایت ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ہر چیز روشن ہو گئی اور جس دن آپؐ نے وفات پائی ہر چیز تاریک ہو گئی اور ابھی ہم نے رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھ بھی نہ جھاڑے تھے، بلکہ آپؐ کی تدفین ہی میں مشغول تھے کہ اپنے دلوں کو بدلا ہوا محسوس کیا۔ (جامع ترمذی)

---

۹ بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص انس بن مالکؓ نے آپ کی وفات کے وقت کے لیے آخر یوم کا لفظ استعمال کیا ہے جو آپؐ کی وفات کے وقت کو عصر اور مغرب کے درمیان ظاہر کرتا ہے۔ بعض اصحاب آخر یوم سے مراد نصف ثانی کا آغاز لیتے ہیں جو زوال کا وقت ہوتا ہے اور زوال کے وقت تک چاشت کا وقت رہتا ہے، اس طرح ابنِ اسحٰق کے چاشت کا وقت بتلانے، اوزاعی، زہری اور عروہ بن زبیرؒ کے زوال کا وقت کہنے میں تطابق ہو جاتی ہے، یہ مطابقت ابن حجرؒ نے بیان کی ہے۔ لیکن حالات و قرائن یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی وفات کا وقت مغرب سے قبل ہی زیادہ بہتر مانا جائے، اور بخاریؒ کے رپورٹ کردہ آخر یوم کو غیر ضروری تکلف سے چاشت ثابت نہ کیا جائے، جبھی آپؐ کی تجہیز و تکفین دوسرے روز منگل کو صبح شروع ہوئی اور پھر گروہ در گروہ کا حجرے میں جا کر نمازِ جنازہ ادا کرنا شروع ہوا۔ اگر وفات کا وقت چاشت یا آغازِ زوال مان لیا جائے تو آخر پیر کے روز عصر سے قبل تجہیز و تکفین اور پھر صلوۃ الجنازہ میں کیا چیز مانع رہی؟ واللہ اعلم

خبر سُن کر آپؐ کے حجرے پر پہنچنے والے سب سے پہلے فرد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے، جو مغیرہ بن شعبہ کے ہمراہ پہنچے۔ عمرؓ نے چہرے پر سے چادر اُٹھائی اور دیکھ کر کہا: "ہائے غشی، اللہ کے رسولؐ کو کیسی زبردست غشی ہے"۔ واپسی کے لیے دروازے کے قریب پہنچے تو مغیرہؓ نے کہا "اے عمر، اللہ کی قسم رسول اللہؐ کی وفات ہو گئی ہے" عمرؓ نے برہمی سے کہا "غلط کہتے ہو، تم ایسے شخص ہو جسے فتنہ شکار کر لیتا ہے، اللہ کے رسولؐ فوت نہ ہوں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ منافقین کا قلع قمع نہ کر دیں" درحقیقت عمرؓ بن الخطاب آپؐ جیسی عظیم شخصیت کے جسدِ خاکی کا دیدار کرنے کے بعد سمجھ نہیں پائے کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ اُنھوں نے گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی کیوں کہ ابھی منافقین زندہ ہیں (یہود اور مشرکین کی مانند منافقین کو ختم کرنے کے بعد ہی آپؐ واپس جائیں گے) اُنھوں نے گمان کیا کہ آپ ﷺ کی روح مبارک اپنے رب کے پاس عارضی ملاقات کے لیے گئی ہے۔ جس طرح موسیٰ تشریف لے گئے تھے اور جس طرح وہ اپنی قوم کے پاس چالیس رات بعد واپس آ گئے تھے نبی ﷺ بھی واپس آ جائیں گے۔ اُنھیں اِس بات پر بڑا غم و غصہ ہوا کہ کہا جا رہا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ مسجد پہنچے تو لوگ آپؐ کے گرد جمع ہو گئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تلوار بلند کر کے کہنے لگے کہ جس نے کہا کہ آپؐ وفات پا گئے ہیں میں اُس کی گردن اڑا دوں گا۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ضرور پلٹ کر آئیں گے، اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔

اسی اثنا میں گھوڑے پر سوار سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ مضافات مدینہ میں واقع سُنح کے علاقے سے سیدھے مسجد پہنچے اور مسجد میں جمع مجمع کو نظر انداز کرتے ہوئے، لوگوں سے کوئی بات کیے بغیر سیدھے اپنی بیٹی کے حجرے میں داخل ہوئے سامنے ہی رسول اللہ ﷺ کا جسدِ مُبارک دھاری دار یمنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ آپؓ نے بڑے وقار اور تحمل سے اپنے آپؓ کو سنبھالتے ہوئے نبی ﷺ کے چہرے پر سے چادر ہٹائی، پیشانی کو چوما آپؓ کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے، پھر چہرہ مبارک کو دیکھتے رہے اور فرمایا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، اللہ آپؐ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا، جو ایک موت آپؐ پر لکھ دی گئی تھی سو وہ آپؐ کو آ چکی۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ حجرے سے باہر مسجد میں تشریف لائے۔ عمر رضی اللہ عنہ کی بات سُنی جو وہ لوگوں سے

کر رہے تھے۔ اُن سے کہا: عمرؓ! بیٹھ جاؤ۔ عمر رضی اللہ عنہ اس کیفیت میں تھے کہ کچھ نہیں سُن پا رہے تھے، ابو بکرؓ نے سختی سے کہا کہ او قسمیں کھانے والے بیٹھ جا! عمر رضی اللہ عنہ نہیں بیٹھ سکے، وہ اپنی ہی بات دہرائے جا رہے تھے۔ ابو بکرؓ نے باآواز بلند کلمہ شہادت پڑھا اور کہا **أما بعد**: تو لوگ عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور عمرؓ بھی اُن ہی کی جانب متوجہ ہو گئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم فَإِنَّ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾ (٣: ١٤٤)

وَاللهِ لَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُونُوا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ الآيَةَ حَتَّى تَلَاهَا أَبُو بَكْرٍ رضى الله عنه. فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ، فَمَا يُسْمَعُ بَشَرٌ إِلَّا يَتْلُوهَا. [حدیث ابن عباس، بخاریؒ]

اما بعد! تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو (وہ جان لے) کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہو چکی ہے اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ کبھی نہیں مرے گا، (پھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی، [جس کا ترجمہ درج ذیل ہے]

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں مگر رسولؐ ہی۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو جائیں (یا ان کی موت واقع ہو جائے) یا وہ قتل کر دیے جائیں تو کیا تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جائے تو (یاد رکھے کہ) وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ جو اس واقعے کو روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم ایسا معلوم ہوا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اِس تلاوت سے قبل جیسے لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ یہ آیت بھی اللہ نے نازل فرمائی ہے اور ماحول ایسا بن گیا کہ اب تمام صحابہ نے یہ آیت آپ سے سیکھ لی ہے اور پھر ہر شخص کی زبان پر یہی آیت جاری تھی۔

سیّدنا ابو بکرؓ کی اس بلیغ اور مختصر گفتگو نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پر سکون کر دیا اور قرآن کی تذکیر سے اُنھیں

اتنا حوصلہ مل گیا کہ وہ اِس پہاڑ جیسے غم کو استقامت سے برداشت کر لیں، اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم یہ کہتے ہوئے پائے گئے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک کی یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اُنھیں ابو بکرؓ کی گفتگو ہی سے نہیں مسجد میں داخل ہوتے ہی اُن کے دیدار سے بھی حوصلہ ملا ہوگا کہ یہی تو وہ ہستی تھی جو نبی کریم ﷺ کی زندگی کے ہر مرحلے میں دستِ راست رہی تھی۔ گزشتہ تین چار روز نمازوں میں نبی ﷺ کے مصلّے پر یہی ہستی کھڑی جماعتِ صحابہ کی امامت کر رہی تھی۔ نبی ﷺ نے اپنی وفات کے موقع پر لوگوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا تھا۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اِس لمحے کو یاد کر کے فرماتے ہیں: واللہ! میں نے جوں ہی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو خاک پر ڈھے گیا (زمین پر گر پڑا) کہ میری ٹانگوں نے میرا بوجھ اُٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور میں جان گیا کہ واقعی نبی ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ بات یہ تھی کہ صدیق اکبرؓ کی گفتگو سے پہلے اُنھیں آپؐ کی موت کا گمان ہی نہیں تھا جوں ہی حقیقت عیاں ہو کر سامنے آئی شدتِ غم سے وہ زمین پر گر گئے۔

مدینہ آج یتیم ہو گیا تھا، ہر طرف سے گھٹی گھٹی سسکیوں کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں، اطراف مدینہ سے لوگ ہجوم در ہجوم مسجد نبوی میں پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ لوگ تلاوت کر رہے تھے: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ..... الشَّاكِرِينَ اور ساتھ ہی تکبیر و تہلیل بھی کہہ رہے تھے ایک ساتھ ہزاروں کا مجمع مسجد کے اندر و باہر یوں رونے اور پڑھنے میں مصروف تھا گویا میدانِ عرفات میں آوازوں کی گونج ہو۔

لوگ ٹولیوں میں اِدھر، اُدھر مسجد میں اور مسجد سے باہر، گلیوں میں اور گھروں کی چوپالوں [ثقیفوں، بیٹھکوں، ڈرائنگ رومز] میں اپنے حلقہ تعارف کے لحاظ سے جیسا کہ ایسے مواقع پر ہوتا ہے جمع تھے، نیند کسے آنی تھی! حجرۂ عائشہ میں، جہاں میّت رکھی تھی آپؐ کی ازواج مطہرات اور اُن کی عزیز خواتین گریہ کناں تھیں اور ایک دوسرے کو سنبھال رہی تھیں۔ سیّدہ فاطمہؓ کے گھر پر بنو ہاشم کے لوگ علیؓ، عبّاس، زبیرؓ، طلحہؓ وغیرھم اور آپ ﷺ کے دوسرے رشتہ دار جمع تھے رواج کے مطابق انھی حضرات کو تجہیز و تکفین کے کام (جو ایک بڑی سعادت بھی تھے) انجام دینے تھے اُس کے بارے میں فکر و گفتگو کر رہے ہوں گے۔ ابو بکرؓ کے گھر پر مہاجرین کی ایک بڑی تعداد غمگیں و متفکر بیٹھی تھی۔ سقیفہ بنو ساعدہ [بنو ساعدہ کی بیٹھک/چوپال] میں انصار کی ایک بڑی تعداد جمع تھی۔ مسجد و مدینے کی گلیاں کھچا کھچ بھرتی جا رہی تھیں۔

انصار کی چوپال (سقیفہ) میں یہ سوال زیر بحث آ گیا کہ اب مدینے کا والی/سربراہ کون ہوگا۔ اس سوال کا اُٹھنا

بڑا فطری معاملہ تھا، اُنھوں نے نبی اکرم ﷺ کو مکہ سے اپنے شہر میں بلایا اور قیادت اُن کے سپرد کر دی، اُن کی حفاظت کا حق ادا کیا، سارے عرب سے دشمنی مول لی، اور اپنے بے شمار جوانوں اور بوڑھوں کو اس کی حفاظت اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے قربان کیا اور غزوات میں سارے عرب کے سرداروں کو قتل کیا اور اُن سے دشمنی مول لی۔ بلاشبہ اس سب کے عوض، مدینہ کو وہ عزت اور معاشی خوش حالی ملی جس کو وہ کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتے تھے لیکن اُن کا حفاظت کا معاہدہ محمد بن عبداللہ، رسول اکرم ﷺ سے تھا، اُن کے لیے اُنھوں نے اپنی قیادت کو اُن کے حوالے کیا تھا اب جب کہ وہ فوت ہو چکے ہیں تو کیا اب اپنے علاقے پر اپنی حکومت و اقتدار کا حق اُن کو نہیں ملے گا؟ ..... رات بھیگ رہی تھی اور گزر رہی تھی کل صبح رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین ہونی ہے اور پھر یہ فیصلہ درکار ہو گا کہ کون اب اُن کی جگہ کھڑا ہو گا۔ مہاجرین کی مدینہ میں آمد سے قبل وہ یہود کے تعاون سے آپس میں [اوس و خزرج] خون ریز جنگیں لڑ کر تھک ہار چکے تھے، اسلام نے اُن کو شیر و شکر کر دیا تھا، کیا یہ دوستی اور ہم آہنگی قایم رہے گی یا اب وہ جنگیں دوبارہ ہوں گی؟ کیا مہاجرین ہی مقتدر رہیں گے یا مقامی لوگوں کو اُن کو مقامی اقتدار کا حق واپس مل جائے گا اور اسلام کے لیے جائے پناہ مہیا کرنے کے انعام میں اب اُنھیں سارے عرب کی سربراہی سونپ دی جائے گی؟ یا اُنھیں کچھ بھی نہیں ملے گا؟ بیعت عقبہ ثانیہ میں جب یہ سوال اہلِ یثرب نے رسول اللہؐ کے سامنے رکھا تھا تو آپؐ نے بالوضاحت اُن سے کہہ دیا تھا کہ آخرت میں جنت کے علاوہ کسی چیز کا وعدہ نہیں کرتا۔

ریاستِ مدینہ کے قیام سے قبل سارے عرب کی قبائلی طرزِ زندگی میں سردار قبیلہ کے مرنے پر کبھی یہ سوال نہیں اُٹھتا تھا کہ اب کون سردار ہو گا، معمر ترین مرد اس ذمے داری پر آپ سے آپ فائز ہو جاتا تھا اور کسی کو مجالِ انکار نہ ہوتی تھی ہاں البتہ ایک پردادا یا اُس سے بھی اوپر کسی اجداد کی اولادیں اپنے چچازادوں سے علیحدہ ہو کر اپنی الگ شناخت بنانا چاہتیں تو بھی سرداری کے لیے فرد کا انتخاب کوئی مسئلہ نہ ہوتا تھا معمر ترین فرد ہی اُس کا حق دار قرار پاتا۔ سرزمین عرب میں یہ پہلی وسیع و عریض حکومت تھی اور اس کے پہلے سربراہ ﷺ نے اپنی موت سے قبل اس قوی امید پر کہ جانشینی کے معاملے کو اپنے رفقاء کے معیار اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اِس امید پر کہ اللہ اور اہلِ ایمان کسی غلط فیصلے پر راضی نہیں ہوں گے، واضح تحریری یا زبانی اعلان سے گریز کیا تھا تاکہ کوئی لازمی سنّت نہ بن جائے جس کی پابندی تا قیامت امت مسلمہ کو کرنی پڑے۔ چناں چہ ہوا بھی یہی کہ اس موقع پر پیچھے رہ جانے والوں کی فراست و دیانت و اصابتِ رائے پر معاملے کو چھوڑ دیا، اُس کے ایک خلیفہ نے

نامزدگی کی اور دوسرے خلیفہ نے کمیٹی بنادی کہ اِن میں سے ایک کا انتخاب کرلو اور تیسرا رسول اللہ ﷺ کی مانند معاملے کو امت کے لیے خود فیصلہ کرنے کے لیے چھوڑ گیا۔ معاملہ آسان ہو گیا کہ جب بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قایم ہو گی تو اُس کے لیے کوئی لازمی طریقہ نہیں ہو گا جس سے انحراف پر انگلی اُٹھائی جاسکے۔

اس شب میں جب سارے مدینے اور اُس کے اطراف کے علاقوں کے ہزاروں ہزار اصحاب کرامؓ آنے والی کل منعقد ہونے والی صلوٰۃ الجنازہ اور مراسم تدفین میں شرکت کے لیے جمع ہو رہے تھے انصار کے اذہان میں کچھ سوالات ابھرے اسی طرح مہاجرین کے اذہان میں بھی، اور شاید کچھ ایسی باتیں بھی کہی گئیں کہ اگر نہ کہی جاتیں تو بہتر تھا، اور پھر کچھ طے ہو گیا اور اُس طے ہو جانے پر بھی کچھ کہا سنا گیا کہ نہ ہوتا تو بہتر تھا، لیکن اللہ تعالیٰ اُس دورِ سعید میں کچھ ایسے واقعات اور معاملات کو ظہور پذیر کرنا چاہتا تھا جو واقع ہو کر ختم ہو جائیں لیکن آنے والے ایّام میں اِن واقعات و معاملات پر گفتگو اور نتائج اخذ کرنے کو لوگوں کے لیے اُن کے اپنے اللہ اور اُس کے دین کے ساتھ تعلق کی اللہ ایک کسوٹی اور آزمائش بنادے۔

آج شب مقامی اور ہمہ گیر عرب اقتدار کے سوالات زیرِ بحث تھے اور بالکل بجا تھے، انسانی اذہان میں اس طرح کے سوالات تو آ ہی جاتے ہیں اور کچھ ایسے اقدامات بھی جن کو واپس لینا پڑتا ہے۔ کیا اپنے خاندان کی حفاظت کے خیال سے مکہ پر چڑھائی کی اطلاع ایک بدری صحابی سے خط کے ذریعے خاتون کے حوالے کر کے قریش کو بھجوانے کی غلطی نہیں ہو گئی تھی۔ کیا ستون سے بندھ جانے والے ایک مخلص صحابی نے جو ایک مرتبہ نبی ﷺ کے غزوے میں جانے کے موقع پر مدینہ کے گورنر بنائے گئے تھے، بنو قریظہ کو اشاروں میں نہیں بتادیا کہ تھا ہتھیار ڈال دو گے پھر بھی قتل کیے جاؤ گے ؟ کیا صلح حدیبیہ کے موقع پر بعض صحابہ سے غیر ضروری گفتگو اور اصحاب کی اکثریت سے وقتی طور عدم تعمیل نہیں ہو گئی تھی؟ کیا تبوک کی جنگ پر وسائل اور موقع کے باوجود نہ جانے پر کچھ اصحاب کو مقاطعے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا؟ اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ اِن تمام واقعات میں انجام کار ہر ایک کو کامل معافی کا پروانہ نہیں ملا تھا اور اُن کی عزت و احترام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ معافی طلب کرنے اور کفارہ دینے پر عزت میں اضافہ ہوا تھا؟

رات بھیگ رہی تھی اور گزر رہی تھی انصار کی بیٹھک (سقیفہ بنو ساعدہ) میں مقامی اور پوری ریاست مدینہ پر رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا سوال زیرِ بحث آ گیا۔ وہاں ایک رائے بننی شروع ہوئی کہ اب اقتدار واپس مقامی لوگوں کو منتقل ہو جانا چاہیے پھر اس میں جو مسائل تھے اور جو اختلافات تھے وہ بھی سامنے آ رہے تھے، بات

جاری تھی، یہ انصار بڑے ہی مخلص لوگ تھے اِن سے محبت ایمان کی نشانی تھی، آخری وقت تک اللہ کے رسول ﷺ نے اِن کا خیال رکھنے کی ہدایت کی تھی اور جانے والا کہہ کر گیا تھا کہ "میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ میرے قلب و جگر ہیں۔" گفتگو جاری تھی اور گفتگو کا غالب رنگ یہی تھا کہ وہ انصار کے ایک بزرگ صحابی کو رسول اللہؐ کے بعد اپنا امیر چن لینے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ کسی نے آ کر ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو بتایا کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں مسلمانوں کی تنظیم نو پر گفتگو ہو رہی ہے، اس سے قبل کہ معاملہ الجھ جائے اُسے سلجھالو، عمرؓ نے ابو بکرؓ سے کہا کہ آؤ چلیں دیکھیں کہ ہمارے انصای بھائی کیا سوچ رہے ہیں۔ دونوں حضرات انصار کی بیٹھک کی جانب روانہ ہوئے اُن کے ہمراہ امین الامت ابو عبیدہؓ بن جراح بھی تھے راہ میں عویمؓ بن ساعدہ اور معنؓ بن عدی دو بڑے ہی معتبر انصاری اصحاب ملے اور پوچھا کہ اے جماعت مہاجرین کہاں کا ارادہ ہے، جواب ملا کہ اپنے انصاری بھائیوں کے پاس، انھوں نے کہا کہ نہ جاؤ تم لوگ خود فیصلہ کر لو، وہ لوگ ایک معاملے پر [سعد بن عبادہ کی خلافت پر] متفق ہو گئے ہیں۔ عمرؓ نے جواب دیا کہ واللہ، ہمیں وہاں ضرور جانا چاہیے۔

یہ لوگ وہاں پہنچے، انصار نے اپنی امارت کے حق کا جواز اور تجویز پیش کی۔ عمرؓ اُن کو سمجھانے کے لیے بہت سی باتیں سوچ کر آئے تھے اور اپنے تئیں ایک بہت ہی عمدہ تقریر اپنے ذہن میں تیار کی ہوئی تھی۔ لیکن جب انصار کے نمائندے بول چکے اور عمرؓ نے بولنا چاہا تو ابو بکرؓ نے اُنھیں روک دیا اور خوب تفصیل سے امارت کے مسئلے کو رکھا اور اُنھیں یہ بات سمجھائی کہ سارے عرب میں سوائے قریش کے کسی دوسرے کی امارت پر لوگ مطمئن نہیں ہوں گے اور اس صورت میں افراتفری ہو جائے گی۔ ابو بکرؓ نے سعد بن عبادہؓ کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے تمھاری موجودگی میں نہیں فرمایا تھا کہ "امرِ خلافت کے والی قریش ہوں گے" سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ آپؓ نے سچ کہا پس ہم وزیر ہوں گے اور آپ امیر۔ ابو بکرؓ نے فرمایا دیکھو یہ عمرؓ بن الخطاب اور ابو عبیدہؓ بن جراح ہیں، اِن میں سے کسی ایک کو امیر چن لو۔ اس پر انصار میں کسی کی جانب سے تجویز آئی کہ ایک امیر تمھارے درمیان سے اور ایک ہمارے درمیان سے ہو جائے۔ اس تجویز پر کچھ شور سا ہوا اور بہت سارے لوگ ایک ساتھ بولنے لگے۔ عمرؓ نے پوچھا: اے جماعتِ انصار! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کے رسولؐ نے ابو بکرؓ کو کہا تھا کہ مسلمانوں کی امامت کرو، کون ہے تم میں جس کا دل اس پر

مطمئن ہو کہ وہ ابو بکرؓ کو اس مقام سے ہٹا دے، جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مقرر کیا ہے۔ سب نے کہا: ہم میں سے کوئی یہ نہیں چاہتا، ہم اللہ سے مغفرت کے خواستگار ہیں۔ عمرؓ نے کہا: ابو بکرؓ ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمھاری بیعت کروں۔ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ دونوں بیعت کے لیے بڑھے مگر بشیرؓ بن سعد انصاری نے تیزی سے آگے بڑھ کر ابو بکر صدیقؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی، اِن کے بعد عمرؓ اور ابو عبیدہؓ نے ابو بکر صدیقؓ کی بیعت کی۔ پھر زیدؓ بن ثابت نے ابو بکرؓ صدیق کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ تمھارے خلیفہ ہیں اِن کی بیعت کرو اور پھر سقیفہ بن ساعدہ میں موجود انصار اور مہاجرین سب نے ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ فاطمہؓ کے گھر پر بنو ہاشم کے لوگ جمع تھے اور حجرہ عائشہؓ میں ازواج مطہرات اور اُن کی رشتہ دار خواتین۔ قارئین جان سکتے ہیں کہ تمام امور ایک فطری طریقے سے آگے بڑھ رہے تھے، کہیں ایسا نہیں ہوا کہ کچھ لوگ تجہیز و تکفین میں مصروف ہوں اور کہیں اقتدار کے لیے رسہ کشی اور سازشیں۔ تجہیز و تکفین تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی، وہ تو کل صبح ہونی ہے! سارے کام اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر انجام پا رہے تھے۔ بنو ہاشم کے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو جب خلافت کے انعقاد کی اطلاع ملی تو اُن کی شکایت بجا تھی کہ اتنے اہم معاملے میں اُنھیں شریک مشورہ کیوں نہ کیا گیا۔ لیکن جس ڈھب سے بات آگے بڑھی تھی اور جس رفتار سے بات ایک نتیجے کو پہنچی اُس میں کہیں اس بات کا امکان نہیں تھا کہ ڈھونڈا جاتا کہ کون ہے اور کون نہیں اور کسی کو بلانے کے لیے معاملہ التوا میں ڈالا جاتا۔ اگر التوا میں ڈالا جاتا تو بات بگڑ سکتی تھی اور اتحاد اور ہم آہنگی کو نقصان پہنچتا۔ اُن کو صورتِ حال سمجھا دی گئی اور وہ جان گئے کہ لوگ معذور تھے۔ کچھ دن بعد اُنھوں نے بھی ابو بکرؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔

منافقین نے فائدہ اُٹھا کر اس ایک طبعی نہج پر واقع ہو جانے والے معاملے میں مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی اور رنگ آمیزی کر کے قصے اور جھوٹے مکالمے گھڑے اور آج ڈیڑھ ہزار برس بعد بھی اِن واقعات پر نفرتوں کی جنگ جاری ہے اور کارِ بیکار میں وقت اور صلاحیتیں صرف ہوتی ہیں۔ نبی ﷺ کے بعد کسی شخص کی بزرگی پر ایمان لانا یا نہ لانا اور آپؐ کے بعد ہونے والے کسی واقعے کی صداقت یا ضلالت پر لازماً ایک رائے رکھنا ایمانیات میں شامل نہیں ہے۔ ایک امت ہے جو گزر گئی جو اُنھوں نے کمایا وہ اُن کے لیے اور جو ہم کریں گے وہ ہمارے لیے۔ تاریخ میں جو باتیں ہمیں اچھی لگتی ہیں یا بری لگتی

ہیں وہ ضروری نہیں کہ دوسروں کو بھی ویسی ہی اچھی یا بری لگیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے قبل امارت کے مسئلے کو حل کرنا اوّلاً اس لیے بھی مناسب رہا کہ روایت قایم ہوئی کہ جہاں تک ممکن ہو مسلم امت لمحے بھر کے لیے بھی بغیر امیر کے نہ رہے، یہ ایک اچھی روایت پڑ گئی۔ آج کل تمام ممالک کے سربراہانِ مملکت ہی کے لیے نہیں پورے کارپوریٹ سیکٹر کی روایات وضوابط دساتیر (Quality Systems) میں یہ طے شدہ امر ہوتا ہے کہ کسی بھی عہدے پر موجود فرد کی غیر موجودگی میں کون (contingent) یہ ذمہ داری انجام دے گا۔ ثانیاً یہ اس لیے بھی مناسب ثابت ہوا کہ فوری پیش آنے والے معاملات جن کا تعلق خود رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین، نمازِ جنازہ اور تدفین سے تھا، اُن کے لیے ہدایات دینے والی اور فیصلہ کن حیثیت رکھنے والی حاکمیت وجود میں آگئی اور کسی معاملے میں لوگوں کے بے لگام اور بے ہنگم ہو جانے کا کوئی امکان نہیں رہا۔ متعدد امور تھے کہ تصفیہ طلب اور جواب طلب تھے جیسا کہ جسدِ اطہر کو غسل دیا جائے یا نہیں؟ کون دے اور کیسے؟ جنازہ کیسے پڑھا یا جائے؟ اور یہ کہ تدفینِ مبارک کہاں اور کیسے ہو؟ اِس طرح کے متعدد سوالات تھے جن کے بہت سارے جوابات اور تجاویز و آراء ہو سکتی تھیں اور آئیں، لیکن ایک فیصلہ کا اختیار رکھنے والی ہستی بھی ضروری تھی تاکہ کوئی مسئلہ نزاع کا باعث نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار کی نشست کو خیر کا باعث بنا دیا، انصار ہمیشہ دین کے لیے باعثِ خیر و برکت رہے۔

غسل کے مراحل

سہ شنبہ (منگل) کی صبح ہوئی، غسل سے قبل تک آپؐ کا جسد مبارک ایک دھاری دار یمنی چادر سے ڈھکا بستر ہی پر رہا۔ گزشتہ شب رواج کے مطابق یہ عزیز و اقارب ہی کا حق تھا کہ اپنے جانے والے کو غسل دیں اور تکفین و تدفین کے تمام امور کی انجام دہی کریں۔ اسلام کے ذریعے آنے والے ہمہ گیر انقلاب نے اس حق میں کوئی دراندازی نہیں کی اور گھر کے لوگوں نے باہر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ فجر کے بعد جو لوگ جمع ہوئے اُن میں آپؐ کے ❶ چچا عبّاسؓ کے علاوہ آپؐ کے تین چچا زاد بھائی ❷ علی بن ابی طالبؓ، ❸ فضل بن عبّاسؓ اور ❹ قثم بن عباسؓ، آپؐ کے آزاد کردہ غلام ❺ شقرانؓ اور آپؐ کے محبوب بن محبوب ❻ اسامہ بن زیدؓ شامل تھے، یہ تو آپؐ کے گھر کے افراد تھے انھوں نے غسل دینے کا آغاز کیا تو اندر سے دروازے کو کنڈی لگا دی، انصار دروازے پر جمع ہو گئے انھوں نے کہا کہ اللہ کے واسطے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھیے۔ امیر المؤمنین

ابو بکر صدیق ؓ نے کہا "اللہ کے رسولؐ میں کسی کا حق نہیں سب کو اجازت دے دی گئی تو کام رہ جائے گا"

انصار کے ❼ اوس بن خولی، بدری صحابی نے آواز دی اے علیؓ میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور اللہ کے رسولؐ کے بارے میں اپنا حق اور حصہ یاد دلاتا ہوں" علیؓ نے دروازہ کھول کر انھیں اندر بلا لیا، یوں اِن سات حضرات نے مل کر اللہ کے رسولؐ کے جسدِ مبارک کو غسل دیا۔ آپؐ کو کپڑے اتارے بغیر اُسی لباس میں غسل دیا گیا جو آپؐ کے جسم پر تھا۔ سیّدنا عباس، فضل اور قثم رضی اللہ عنہم آپؐ کی کروٹیں بدل رہے تھے۔ سیدنا اسامہ اور شقران رضی اللہ عنہما پانی ڈال رہے تھے جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور سیدنا اوس رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے جسدِ مبارک کو اپنے سینے سے سہارا دیا ہوا تھا۔ کیسی بڑی سعادت تھی جو اِن خوش نصیب بزرگوں کو ملی! قباء میں واقع سعد بن خیثمہ کے غرس نامی کنویں کا پانی غسل کے لیے استعمال کیا گیا۔ پینے کے لیے آپؐ یہی پانی استعمال کرتے تھے۔ بیر کی پتیوں کے پانی سے تین مرتبہ غسل دیا گیا۔

تکفین کا انداز

آپ کے پھوپھی زاد بھائی سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بھی تجہیز و تکفین کے مختلف کاموں میں حصہ لیا۔ کفن میں تین سفید یمنی چادریں استعمال کی گئیں۔ کرتا نہیں تھا، محض چادروں ہی میں جسدِ مبارک کو لپیٹ کر کفنایا گیا، جو لباس وفات کے وقت جسم پر تھا کفناتے وقت اُس کو نکال لیا گیا۔

قبر کی جگہ کا انتخاب اور کھدائی

آپؐ کی قبر کی جگہ کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کھلی جگہ میں ہو سکتی تھی مگر آپؐ نے وقتِ آخریں تک یہود و نصاریٰ کی مانند اپنی قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا تھا اس لیے یہی مناسب تھا کہ کھلی جگہ میں تدفین نہ ہو تاکہ لوگ فرطِ عقیدت میں وہ نہ کریں جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ قبر کی جگہ کے لیے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی مختلف آراء تھیں۔ امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی نبی بھی نہیں اٹھایا گیا مگر اس کی تدفین وہیں ہوئی جہاں اٹھایا گیا (یعنی جہاں وہ فوت ہوا)۔ اس فیصلے کے بعد قبر کھودنے کے سلسلہ میں صحابہ کے درمیان دو آراء سامنے تھیں، مہاجرین نے کہا کہ مکہ کے دستور کے مطابق صندوقی قبر کھودی جائے، انصار کی خواہش تھی کہ مدینہ کے طریقے پر بغلی لحد

تیار کی جائے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ صندوقی اور ابو طلحہ بغلی لحد کھودنے میں ماہر تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اختلاف مناسب نہیں دونوں کے پاس آدمی بھیج دو جو پہلے آجائے وہ اپنی مہارت کے مطابق کام شروع کردے۔ چناں چہ عباس رضی اللہ عنہ نے دونوں ماہرین کو بلانے کے لیے آدمی بھیج دیے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ گھر پر نہیں تھے، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ پہلے پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کے لیے بغلی لحد تیار کرنے کا آغاز کیا۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ بستر اٹھایا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تھی اسی کے نیچے سادہ سی قبر بنادی جس میں جسم اطہر کو سپردِ خاک کیا گیا۔ جسم اطہر کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، فضل بن عبّاس رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے قبر میں اُتارا۔

نمازِ جنازہ

ان تمام کاموں کے بخیر و خوبی انجام پانے کے بعد باری باری دس دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حجرۂ عائشہؓ میں جاکر نماز جنازہ پڑھی جس میں کوئی امام نہ تھا۔ سیرت ابن کثیر کے مطابق، لوگوں نے امیر المؤمنین صدیق اکبرؓ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے تو آپؓ نے جواب دیا کہ ہاں جنازہ پڑھو، لوگوں نے سوال کیا کہ کیوں کر؟ آپؓ نے کہا کہ ایک ایک گروہ حجرے میں جائے اور تکبیر کے بعد درود و دعا پڑھے اور باہر آجائے۔ پھر ایک کے بعد دوسرا گروہ اسی طرح کرتا رہے سب سے پہلے بنو ہاشم نے نماز جنازہ پڑھی۔ پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر مردوں کے بعد عورتوں نے، اور ان کے بعد بچوں نے۔

تدفین کا مرحلہ

نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن گذر گیا، منگل اور بدھ کی درمیانی شب، رات گئے جسد مبارک کو سپردِ خاک کیا گیا۔ سیدہ عائشہؓ اور دیگر ازواج برابر والے حجرے میں ٹھہری ہوئی تھیں، اُن کا بیان ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کا اندازہ پھاوڑوں کے چلنے کی آواز سے ہوا۔

تدفین کے بعد

جب آپؐ کے جسدِ مبارک کی تدفین ہوچکی تو سیدہ فاطمہؓ نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے کیسے گوارا کر لیا کہ نبی علیہ السلام پر مٹی ڈالو، پھر کہنے لگیں: "یا أبتاہ، أجاب ربا دعاہ، یا أبتاہ، جنة الفردوس مأواہ،

یا أبتاہ، الی جبریل نتعاہ." (ہائے میرے پیارے بابا جان، کہ اپنے رب کے بلاوے پر چل دیے، ہائے میرے پیارے بابا جان، کہ جنت الفردوس میں اپنے ٹھکانے کو پہنچ گئے، ہائے میرے پیارے بابا جان، ہم جبریل کو ان کے آنے کی خبر دیتے ہیں۔

رات زیادہ تو بیت ہی چکی تھی، باقی رات بھی کوئی نہ سویا۔ صلوٰۃ الفجر کے لیے جب بلالؓ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا پر پہنچے تو اُن کی چیخیں نکل گئیں۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے، اہلِ مدینہ بے اختیار رونے لگے، مدینہ لوگوں کے رونے سے لرز اُٹھا۔

چند روز بعد امیر المؤمنین صدیقِ اکبرؓ نے عمرؓ سے کہا آؤ چلو اُم ایمنؓ [جنھوں نے آپؐ کو گود یوں کھلایا اور اُسامہؓ بن زیدؓ کی ماں ہیں] کے پاس چلیں، اُن کی زیارت کریں۔ اِن دونوں کو دیکھ کر وہ رونے لگیں۔ شیخین نے تسلّی دیتے ہوئے فرمایا کہ کیوں روتی ہیں، اللہ کے رسولؐ کے لیے اللہ کے ہاں جو کچھ ہے بہت بہتر ہے۔ اُمّ ایمن نے بڑی ہی عمدہ بات کہی جو تاریخ میں امر ہو گئی کہ یہ تو میں جانتی ہوں، میں تو اس لیے روتی ہوں کہ آسمان سے آنے والی وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہ سُن کر صبر و عزیمت کے دونوں پہاڑ بھی رو پڑے۔

آپؐ کی کوئی جائیداد یا ترکہ تھا ہی نہیں جو تقسیم ہوتا[10]۔ کچھ غلط فہمیاں ہوئیں لیکن جلد ہی رفع ہو گئیں۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس مسئلے پر ایک تفصیلی مضمون ۱۹۵۸ء میں ترجمان القرآن میں لکھا تھا جو بعد میں رسائل و مسائل میں شائع ہوا۔ جو اس موضوع کو تفصیل سے پڑھنا چاہیں وہ اِسے رسائل و مسائل میں دیکھ لیں۔

☆☆☆☆☆

کسی غم گسار کی محنتوں کا یہ خوب میں نے صلہ دیا
کہ جو میرے غم میں گھلا کیا اسے میں نے دل سے بھلا دیا
جو جمالِ روئے حیات تھا، جو دلیلِ راہِ نجات تھا
اسی رہبر کے نقوشِ پا کو مسافروں نے مٹا دیا

عنایت علی شاعر

---

۱۰ رسول اللہ ﷺ کا فرمان متعدد احادیث میں یوں منقول ہے "لا یورث ما ترکنا صدقة" [یعنی: ہم انبیاء کا وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا عام مسلمانوں کا حق ہے] وفات سے چند شب قبل چند دینار عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس امانت تھے وہ بھی آپ نے نکلوا کر اُسی وقت خیرات کر دیے تھے۔

وہ سورتیں جو مختلف اوقات یا زمانوں میں ایک سے زائد تنزیلات میں نازل ہو کر ترتیب پائیں اُن کی پہلی تنزیل کے بعد اضافی تنزیلات کی تفصیلات درج ذیل جدول میں دی گئی ہیں۔ کلام مجید کی تمام سورتوں کی اوّلین تنزیلات صفحات ۵ اور ۶ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

نزولی	نام سورہ [آیات]	سال	توقیفی	جلد	صفحہ
70a	سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ [۱۳تا۲۲۰]	۴نبوی	۲۶	۲	۳۲
84a	سُوْرَۃُ الْحِجْر [۹۴تا۹۹]	۴نبوی	۱۵	۲	۳۷
1b	سُوْرَۃُ الْعَلَق	۴نبوی	۹۶	۲	۴۲
2b	سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّر	۵نبوی	۷۴	۲	۹۸
90b	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [آخری ۲ آیات]	۱ہجری	۲		
95b	سُوْرَۃُ الْحَجّ	۱	۲۲	۷	۴۷۷
90c	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۸ تا ۲۹]	۱	۲	۸	۴۱
90d	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۳۰ تا ۳۹]	۱	۲	۸	۸۵
35b	سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّل [آیہ ۲]	۱	۷۳	۸	۱۰۵
90e	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۴۰ تا ۱۰۳]	۱	۲	۸	۱۶۱
90f	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۱۰۴ تا ۱۲۳]	۱	۲	۸	۱۹۳
90g	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۱۲۴ تا ۱۴۱]	۱	۲	۸	۲۰۵
90h	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۱۹۰ تا ۲۱۸]	۲	۲	۹	۴۱
90i	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۱۴۲ تا ۱۵۲]	۲	۲	۹	۶۳
90j	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۱۵۳،۱۶۳]	۲	۲	۹	۷۳
90k	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۱۶۴ تا ۱۷۶]	۲	۲	۹	۸۱
90l	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۱۷۷ تا ۱۸۹]	۲	۲	۹	۹۱
90m	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۲۱۹ تا ۲۲۵]	۲	۲	۹	۱۰۷
90n	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۲۲۶ تا ۲۴۲]	۲	۲	۹	۱۱۹
90o	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۲۴۳ تا ۲۵۴]	۲	۲	۹	۱۴۷

نزولی	نام سورہ [آیات]	سال	توقیفی	جلد	صفحہ
90p	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۲۵۵ تا ۲۶۰]	۲	۲	۹	۱۷۷
90q	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۲۶۱ تا ۲۷۳]	۲	۲	۹	۱۸۷
99b	سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن [۶۴ تا ۱۲۰]	ذوالقعدہ ۲ ہجری	۳	۹	۳۲۱
99c	سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن [۱۲۱ تا ۲۰۰]	شوال ۳ ہجری	۳	۱۰	۱۸۵
101b	سُوْرَۃُ النِّسَآء [۴۴ تا ۵۹]	صفر ۴ ہجری	۴	۱۰	۲۶۹
101c	سُوْرَۃُ النِّسَآء [۶۰ تا ۱۲۶]	محرم ۵ ہجری	۴	۱۰	۳۲۱
101d	سُوْرَۃُ النِّسَآء [۲۹ تا ۴۳]	صفر ۵ ہجری	۴	۱۰	۳۶۱
101e	سُوْرَۃُ النِّسَآء [۱۲۷ تا ۱۷۶]	ربیع الثانی ۵ ہجری	۴	۱۰	۳۷۳
104b	سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب [۹ تا ۲۰]	شوال ۵ ہجری	۳۳	۱۱	۹۵
104c	سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب [۳۶ تا ۴۸]	ذوالقعدہ ۵ ہجری	۳۳	۱۱	۱۰۳
104d	سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب [۲۱ تا ۳۷]	ذوالقعدہ ۵ ہجری	۳۳	۱۱	۱۱۳
104e	سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب [۲۸ تا اختتام]	اواخر ۵ ہجری	۳۳	۱۱	۱۳۱
110b	سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ [۱۲ تا ۸۶]	اوائل ۴ ہجری	۵	۱۲	۱۴۵
110c	سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ [۱ تا ۱۱]	۶/۷ ہجری	۵	۱۲	۱۶۵
94b	سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃ [۱ تا ۸]	محرم ۷ ہجری	۶۲	۱۲	۲۴۵
110d	سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ [۸۷ تا ۱۲۰]	شعبان ۸ ہجری	۵	۱۲	۱۹۹
109b	سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃ [۱ تا ۹]	رمضان ۸ ہجری	۶۰	۱۲	۳۵۹
90a	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ [۲۷۴ تا ۲۸۲]	اواخر ۸ ہجری	۲	۱۳	۹۹
112b	سُوْرَۃُ التوبہ [۷۴ تا ۱۲۹]	رمضان ۹ ہجری	۹	۱۳	۱۶۹
99d	سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن [۳۳ تا ۶۳]	شوال ۹ ہجری	۳	۱۳	۲۱۱
112c	سُوْرَۃُ التوبہ [۱ تا ۳۷]	ذوالقعدہ ۹ ہجری	۹	۱۳	۲۸۷